نثار احمد فاروقی
جامعہ نگر، نئی دہلی

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء اور سماعِ صوفیہ

قوالی لفظ اُردو کا ہے اور یہ عربی لفظ قول سے بنایا گیا ہے۔ قول کے معنی کہنا، اظہار کرنا، تاکید کرنا، تعلیم دینا، مثال وغیرہ۔ عربی میں جو الفاظ فعّال کے وزن پر آتے ہیں، وہ یا تو مبالغے کے لیے ہوتے ہیں جیسے اکّال (بہت کھانے والا)، سجاد (بہت سجدے کرنے والا، عبادت گزار)، یا پھر اِس وزن کے الفاظ کوئی پیشہ ظاہر کرتے ہیں، جیسے طباخ (باورچی)، فنان (آرٹسٹ)، صراف (مہاجن) وغیرہ۔ قوال بھی پیشہ ظاہر کرنے کے لیے ہے، کسی قول کو بار بار دہرانے والا۔ قول عربی، فارسی، ہندوی یا اُردو کا کوئی بھی فقرہ، مصرعہ، شعر یا دوہا ہوسکتا ہے۔ اس میں صوفیہ کے لیے نظم ونثر کی بھی کوئی قید نہیں تھی۔

صوفیہ کی اصطلاح میں اِسے قوالی نہیں سماع کہتے ہیں۔ قادری، نقشبندی، اور سہروردی سلسلے کے بعض خانوادوں میں سماع نہیں ہے، بعض میں ہے۔ اکثر فقہا نے اور بعض سلسلوں کے صوفیہ نے سماع کی مخالفت کی ہے اور اُسے خلافِ شرع بتایا ہے۔ بعض نے اُسے بلامزامیر بھی جائز نہیں رکھا۔ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ (ف ۳ ربیع الاوّل ۷۹۱ھ) سے سماع کے بارے میں سوال کیا گیا تو اُنہوں نے فرمایا: ''نہ این کار می کنیم، نہ اِنکار می کنیم۔'' نہ ہم یہ کام کرتے ہیں، نہ اس کا انکار کرتے ہیں۔

حضرت علی بن عثمان ہجویری مصنف کشف المحجوب میں فرماتے ہیں:

''ہر کہ گوید مرا بہ الحان و اصوات و مزامیر خوش نیست او یا دروغ گوید، و یا نفاق کند،

ویا نفاق کند، ویا حس ندارد واز جملہ طبقۂ مردمان وستوران بیرون باشد۔

جو یہ کہتا ہے کہ مجھے اچھی آواز، نغمہ یا مزامیر پسند نہیں آتے وہ یا تو جھوٹ کہتا ہے، یا مکاری کرتا ہے، یا حس نہیں رکھتا، وہ انسانوں اور جانوروں کے ہر زُمرے سے خارج ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے شرح مشکوٰۃ کے باب العیدین میں لکھا ہے:

عن عائشة رضي الله عنها قالت أن أبابكر دخل عليها و عندها جاریاتان في أيام منى تدففان و تضربان و في رواية تغنّيان بما تفادت الأنصار يوم بعاث وليستا بمغنيتين و النبیﷺ متغشن بثوبه فنهزهما أبوبكر فكشف النبیﷺ عن وجهه فقال د ع هما يا أبابكر فانها أيام عيد.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ ان کے پاس آئے، وہاں دو کنیزیں تھیں جو تالیاں اور ڈھولک بجا رہی تھیں۔ دوسری روایت ہے کہ عید الاضحیٰ کے دن یوم بعاث کی خوشی میں گا رہی تھیں، حالانکہ وہ گانے والیاں نہیں تھیں، نبیﷺ چادر ڈھکے سو رہے تھے، ابوبکرؓ نے اُن کو روکا، رسول اللہﷺ نے چہرۂ مبارک سے چادر ہٹائی اور فرمایا: ابوبکرؓ انہیں کچھ مت کہو یہ عید کے دن ہیں۔

يا أبابكر لكل قوم عيد وهذا عيدنا. (متفق عليه)

اے ابوبکرؓ ہر قوم کی عید ہوتی ہے، یہ ہماری عید ہے۔

اہلِ سماع اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ ایامِ منی تھے یعنی عید الاضحیٰ تھی۔ وہ لڑکیاں دف پر سرود کر رہی تھیں، تدففان کا مطلب یہ ہے کہ دف بجا رہی تھیں اور تضربان یا تو اس کی تاکید کے لیے آیا ہے یا تضربان کا کنایہ ترقصان سے ہے، یعنی رقص کر رہی تھیں اور زمین پر پیر مار رہی تھیں۔ دف کے لیے تین قول ہیں، ایک یہ کہ مباح ہے، دوسرے یہ کہ مطلق حرام ہے، تیسرے یہ کہ شادی یا ولیمہ ہو تو جائز ہے۔ **بما تفادت الأنصار** سے مراد یہ ہے کہ انصار کی شجاعت اور جنگی کارناموں کے اشعار پڑھ رہی تھیں۔ بعاث ایک جگہ کا نام ہے۔ تفاخر کے اشعار میں فواحش اور منکرات نہیں ہوتے۔ صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ

وہ پیشہ ور گانے والیاں نہیں تھیں، گھر والی لڑکیاں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ چادر سے منہ لپیٹے ہوئے آرام فرما رہے تھے۔ اس لیے حضرت ابوبکرؓ نے اُن لڑکیوں کو گانے سے منع کیا۔ بخاری میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر نے کہا کہ تم پیغمبر کے سامنے شیطان کا مزمار (باجا) بجا رہی ہو، اس پر آنحضرت ﷺ نے چادر روئے مبارک سے ہٹائی اور فرمایا: ''ابوبکرؓ ان کو منع مت کرو، ہر قوم کی عید ہوتی ہے، آج ہماری عید ہے۔ عید کے دن کھانا پینا، ضیافت کرنا، خوشی کے گیت گانا، فرح و سرور کا اظہار کرنا مباح ہے۔ بعض محدثین نے کہا ہے کہ غنا کے بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ملتی، نہ حرمت میں نہ اباحت میں۔ ایسی صورت میں اباحت کا جواز ہے۔ مگر اس کی مداومت اور اُس پر اصرار اتباعِ سنت کے خلاف ہوگا۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ اس کو مکروہ بتاتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق ہی نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے:

عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله ﷺ اعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد واضربوا عليه بالدفوف. (رواه ترمذي)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اُنھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اس نکاح کا اعلان کرو، اسے مسجدوں میں ادا کرو اور اُس پر دف بجاؤ۔

اس حدیث کو غریب کہا گیا ہے۔ اور حضرت عائشہؓ ہی کی روایت ہے:

زفّت امرأة الى رجل من الأنصار فقال النبي ﷺ ماكان معكم لهواً فان الأنصار يعجبهم اللهو. (رواة البخاري)

ایک انصاری مرد سے کسی عورت نے شادی کی، نبی ﷺ نے فرمایا: تمہاری تقریب میں لھو (سامانِ تفریح) نہیں ہے، جو انصار کو پسند ہے۔

ایک اور حدیث ابنِ حبانؒ نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے:

عن عائشة رضي الله عنها قالت كانت عندي جارية من أنصار فزوّجتها، فقال رسول الله ﷺ يا عائشة ألا تغنين فان هذا الحي من الأنصار يحبون الغناء.

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، اُنھوں نے کہا: میرے پاس ایک انصاری کنیز تھی، میں نے اُس کی شادی کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہؓ کیا گانا نہیں ہوگا؟ انصار کا یہ قبیلہ گانا پسند کرتا ہے۔

سب کو معلوم ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا وصال سماع کی محفل میں ہی ہوا تھا۔ بعض قدیم مآخذ بتاتے ہیں کہ وہ ربیع الاوّل کی بارہ تاریخ تھی، شیخ علی سگزیؒ کی خانقاہ میں رسول اللہ ﷺ کا عرس ہو رہا تھا، جس میں اُس وقت کے بہت سے مشائخ حاضر تھے۔ جب قوال نے حضرت احمد جامؒ کی غزل کا یہ شعر پڑھا:

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زمان از غیب جانے دیگر است

(جو تسلیم و رضا کے خنجر سے ہلاک ہوتے ہیں، اُنھیں ہر لمحہ غیب سے نئی زندگی ملتی ہے۔)

تو خواجہ قطبؒ صاحب کو اِس پر وجد ہوا، اور تین دن تک ایسی کیفیت طاری رہی، جس میں صرف نماز ادا کرتے تھے، پھر بیہوش ہو جاتے تھے۔ اِسی حالت میں ۱۴ر ربیع الاوّل ۶۳۴ھ کو اپنے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا کہ میں دس بارہ سال کا تھا جب ایک شخص، جس کا نام ابوبکر قوال یا ابوبکر خراط تھا، ملتان سے اجودھن (موجودہ پاک پتن) ہوتا ہوا بدایوں میں آیا تھا، وہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کی خدمت میں حاضری دے کر آ رہا تھا، اُس نے بیان کیا کہ مجھ سے حضرت زکریا ملتانیؒ نے سماع بھی سنا ہے۔ میں نے اُنھیں عربی کے دو اشعار سنائے:

لقد لسعت حية الهوى كبدي
فلا طبيب لها ولا راقي
الا الحبيب الذى شغفت به
فعنده رقيتي و ترياقي

(محبت کے ناگ نے میرے جگر کو ڈس لیا ہے، اس کا علاج کسی طبیب یا سیانے کے پاس نہیں، سوائے اُس محبوب کے جس پر میں فریفتہ ہوں، اُسی کے پاس میرے لیے منتر اور تریاق ہے۔)

حضرت ملتانیؒ نے چراغ بجھا دیا تھا اور رقص کر رہے تھے، اُن کی چادر بار بار میرے چہرے کو چھو رہی تھی۔ اِن اشعار کے بارے میں روایت ہے کہ ایک بدو نے رسول اللہ ﷺ کو سنائے تھے۔ یہ روایت شیخ زکریا ملتانیؒ کے پیرو مرشد شیخ شہاب الدین سہروردی نے عوارف المعارف میں بھی درج کی ہے۔ (باب ۲۵، اُردو ترجمہ، ص ۲۴۷-۲۴۸)۔ مگر اُنھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''میرے دل میں یہ بات کھٹکتی ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں، میں اس میں اس کا ذوق نہیں پاتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کے ساتھ ایسا کیا ہو۔''

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ بھی سماع سنتے تھے، مگر اُس میں مزامیر کی یا نظم کی قید نہ تھی، نثری فقرے پر بھی جھوم اُٹھتے تھے۔ ایک بار اُنھوں نے سماع کا ارادہ کیا، کوئی قوال موجود نہ تھا، آپ نے مولانا بدر الدین اسحٰقؒ سے فرمایا کہ قاضی حمید الدین ناگوریؒ کا جو خط آیا تھا، وہ لاؤ۔ حضرت بدر اسحٰقؒ نے وہ خط پیش کیا تو فرمایا کہ کھڑے ہو کر پڑھو، اُنھوں نے پڑھنا شروع کیا: ''فقیر حقیر نحیف ضعیف محمد عطا کہ بندۂ درویشان است و از سرو دیدہ خاکِ قدم ایشان۔'' یہ الفاظ سن کر ہی بابا صاحبؒ پر وجد طاری ہو گیا۔ ایک بار حضرت بابا فریدؒ کے سامنے سماع کے جائز یا ناجائز ہونے کا تذکرہ ہوا تو اُنھوں نے فرمایا: ''سبحان اللہ، یکے بسوخت و خاکستر شد و دیگرے ہنوز در اختلاف است، تفاوت بین۔'' شیخ سعدی گوید:

آتش اندر پختگان اُفتاد و سوخت
خام طبعان ہمچنان افسردہ اند''

(سبحان اللہ! ایک شخص تو جل کر بھسم ہو گیا، دوسرا ابھی جائز ناجائز کے اختلاف ہی میں پڑا ہوا ہے۔ اِسی سے فرق سمجھ لو۔ شیخ سعدی کہتے ہیں: جو پختہ کار تھے، وہ تو جل کر خاکستر ہو گئے، اَدھ کچرے ابھی تک مرجھائے پڑے ہیں۔)

حضرت بابا صاحبؒ ہی کا قول ہے کہ

السماع يحرک قلوب المستمعين ويوقد نار الشوق في صدور المشتاقين.

سماع سننے والوں کے دِلوں کو جھنجھوڑتا ہے اور مشتاقوں کے سینوں میں آتشِ شوق کو بھڑکا دیتا ہے۔

اُنھوں نے فرمایا کہ مشائخ سماع کو اِس لیے جائز رکھتے ہیں کہ وہ حالتِ سماع میں بے اختیار ہو جاتے ہیں، اگر یہ حالتِ اختیار میں ہوں تو وہ سماع علت سے خالی نہ ہوگا۔ حضرت بابا فریدؒ سے شیخ بدر الدین غزنویؒ نے سوال کیا کہ اہلِ سماع کو بیہوشی کیوں ہو جاتی ہے؟ بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ روزِ ازل میں جب سب نے الست بربکم کی صدا سنی تھی تو ان پر بیہوشی طاری ہوگئی تھی، اُس دن سے وہ بیہوشی روح میں پیوست ہے، جب سماع سنتے ہیں تو اُس کا اثر ظاہر ہوتا ہے، حیرت اور حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ خواجہ نظام الدینؒ کو راگ پوربی بہت پسند تھا اور فرماتے تھے کہ روزِ ازل ہم نے الست بربکم کی صدا شاید راگ پوربی ہی میں سنی تھی۔

حضرت نظام الدینؒ نے فرمایا کہ ایک بار خواجہ خضر حضرت بابا فریدؒ کی مجلس میں آئے۔ اُس وقت درویشوں نے سماع شروع کر دیا۔ حضرت شیخؒ اپنے سجادے پر تشریف فرما تھے، اُنھوں نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اُٹھا کر بلند آواز سے یہ شعر پڑھا:

صاحب دردے کجاست تا بنمایم
صد گریۂ زار زیرِ خندۂ خویش

(کوئی درد مند ہے کہاں؟ جو میں اُسے اپنی ہر ہنسی کے پیچھے چھپا ہوا شدید گریہ دِکھاؤں)

ایک بار نظام الدینؒ اولیاء اجودھن (پاک پتن) میں تھے، اُن کے پیرومرشد حضرت بابا فریدؒ اپنے حجرے میں ننگے سر بہت ہی کیفیت کے عالم میں مشغول تھے، چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا، اور بڑے پُراثر انداز میں فارسی کا یہ قطعہ پڑھ کر بار بار سجدہ کرتے تھے:

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم
خاکے شوم و بزیرِ پائے تو زیم
مقصودِ من بندہ ز کونین توئی
از بہر تو میرم، ز برائے تو زیم

(میری تمنا ہے کہ ہمیشہ تیری طلب میں زندگی گزاروں، خاک ہو کر تیرے قدموں تلے زندہ رہوں، کونین میں مجھ بندے کا مقصود تیرے سوا کوئی نہیں، میں تیرے لیے ہی زندہ رہوں، تیرے لیے ہی مروں۔)

اُنھیں اس حالت میں دیکھ کر حضرت نظام الدینؒ کو خیال آیا کہ اس مبارک وقت میں کوئی نعمت طلب کریں۔ اُن کی آہٹ پر کر باباصاحبؒ نے فرمایا: کون؟ عرض کیا: نظام الدینؒ۔ فرمایا کیا چاہتے ہو؟ اُنھوں نے کچھ درخواست کی۔ باباصاحبؒ نے فرمایا: ''دادیم'' (جاؤ تمھیں یہ نعمت دے دی)۔ بعد میں کسی وقت قاضی محی الدین کاشانیؒ نے پوچھا: اُس وقت آپ نے کیا طلب کیا تھا؟ فرمایا: میں نے (درویشی کی راہ میں) ''استقامت'' (ثابت قدمی) مانگی تھی، مگر پھر ساری عمر پچھتایا، کاش اُن سے یہ طلب کرتا کہ میری موت سماع کی حالت میں واقع ہو۔

ابتدائے حال میں حضرت نظام الدینؒ دہلی میں کہیں جا رہے تھے تو اُن کو ایک مجذوب ملا تھا، جسے ''آ ہوئی'' کہتے تھے۔ اس کے سامنے سے حضرت گزرے تو اس نے کہا: تم قاضی حمید الدینؒ کا نام روشن کرو گے، حضرت نے سوچا کہ میں تو شیخ الاسلام فرید الدین کا چاکر ہوں، مجھے قاضی حمید الدینؒ سے کیا نسبت؟ بعد میں خیال آیا کہ وہ سماع کے ذوق کی مناسبت سے کہہ رہا تھا، کیوں کہ قاضی حمید الدین کو سماع میں بہت غلو تھا۔ (نفائس الانفاس قلمی)۔ جس زمانے میں حضرت برہان الدین غریبؒ دروازۂ پل کی مسجد میں امامت کرتے تھے، محفلِ سماع سے بہت تفتہ و کوفتہ ہو کر آئے تھے۔ شیخ عماد الدین تیرگر کے ایک مرید آنکلے اور پوچھا، کیا بات ہے، آپ بہت تھکے ہوئے نظر آ رہے ہیں؟ اُنھوں نے کہا کہ محفلِ سماع میں گیا تھا۔ وہ شخص

کہنے لگا کہ سماع سے شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے منع کیا ہے۔ حضرت غریبؒ نے کہا: میں اُس خاندان کا خدمت گار اور جاروب کش ہوں، مگر سماع میں پیروی اپنے شیخ ہی کی کروں گا۔ (نفائس الانفاس قلمی، ۵ر ربیع الاوّل ۷۳۳ھ)

شیخ ضیاء الدین رومی نے کہا کہ میرے ایک ساتھی تھے، اُنھیں سماع میں بہت ذوق و شوق اور وجد و حال ہوتا تھا۔ اُن کا انتقال ہوا تو میں نے اُنھیں خواب میں دیکھا کہ جنت کے ایک بہت بلند مقام پر فائز ہیں، مگر غمزدہ بھی ہیں۔ میں نے کہا کہ اب کس بات کا غم ہے؟ کہنے لگے کہ یہ مقامِ اعلیٰ تو مل گیا ہے، مگر وہ لذت اور ذوق جو سماع میں ملتا ہے، وہ یہاں ناپید ہے۔

حضرت بابا صاحبؒ پر کبھی کسی شعر سے کیفیت کا غلبہ ہو جاتا تھا، تو سارا دن اور ساری رات اُسی کو پڑھتے رہتے تھے اور اُن کی حالت میں عجیب تغیر پیدا ہو جاتا تھا۔ ایک بار اُنہوں نے نظامی گنجوی کا یہ شعر پڑھا اور دیر رات تک اِسے گنگناتے رہے:

نظامی این چہ اسرار است کز خاطر عیان کردی
کسے سرش نمی فہمد زبان در کش زبان درکش

(اے نظامی! یہ کیا بھید ہیں جو تم افشا کر رہے ہو، اُس کا رہسیہ کوئی نہیں جانتا، بس چپ ہو جاؤ، زبان بند رکھو۔)

حضرت بدر الدین اسحٰقؒ بابا صاحبؒ کے خاص خلیفہ، اور داماد تھے، ایک بار نماز پڑھاتے ہوئے اُن پر کیفیت طاری ہوئی تو نظامی گنجوی کا ایک شعر بار بار پڑھتے تھے اور روتے تھے:

پیشِ سیاستِ غمت روح چہ نطق می زند
اے ز ہزار و صعوہ کم، تو چہ نوا ہمی زنی

(تیرے غم کی سزا کے سامنے روح کیا آواز نکالتی ہے، ارے تو مولے سے بھی کم ہے، تو کیا شور کر رہی ہے!)

اسی طرح ایک بار حضرت بابا فریدؒ کی خانقاہ میں سماع ہو رہا تھا کہ نماز کا وقت آ گیا،

حضرت بدرالدین اسحٰقؒ نماز پڑھانے کھڑے ہوئے تو جس شعر پر محفل میں وجد و کیف ہو رہا تھا، تکبیر کہہ کر وہی شعر رو رو کر پڑھنے لگے:

فضلِ تو آن نیست کہ کس را رسد
این ہمہ سود است کہ مارا رسید

(تیرا فضل و کرم ایسا نہیں جو ہر کسی کو مل جائے، یہ تو صرف منافع ہے جو ہم تک پہنچا ہے!)

حضرت بدر اسحٰقؒ کے صاحبزادے خواجہ محمد امامؒ، جن کی تعلیم و تربیت حضرتؒ کی نگرانی میں ہوئی تھی، نہ صرف یہ کہ جماعت خانے میں نماز کی امامت کرتے تھے بلکہ حضرت کی زندگی ہی میں لوگوں کی بیعت قبول کرنے لگے تھے۔ حضرتؒ کی مجلس میں سب سے ممتاز مقام پر اُنھیں بٹھایا جاتا تھا اور حضرتؒ کے حکم سے وہ محفلِ سماع میں صاحبِ سماع بھی بنتے تھے، اگر حضرتؒ کو وجد و حال ہوتا تھا تو اُن کے ساتھ وجد و رقص بھی کرتے تھے۔ اُنھیں سماع میں بہت غلو تھا، فارسی اور ہندی کلام پڑھنے والے قوال اُن کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے تھے۔ علمِ موسیقی میں ایسا کمال حاصل تھا کہ اُنھوں نے کئی راگ ایجاد کیے۔ سیر الاولیاء کے مصنف امیر خرد کرمانی نے اُنھیں ''وضاع'' لکھا ہے یعنی ''راگ بنانے والا''۔ وہ محفلِ سماع میں پڑھے جانے والے کلام کے ایسے رموز اور لطیف نکتوں کی طرف اشارہ کرتے تھے، اور اُن کی مدد سے اسرارِ حقیقت کی گرہیں کھولتے تھے، کہ سماع کی کیفیت دہ چند ہو جاتی تھی۔ رقیق القلب بھی ایسے تھے کہ خواہ سماع میں ہوں یا نہ ہوں، اُن کی آنکھیں اکثر ڈبڈبائی رہتی تھیں۔ سماع میں اگر اُن کی چیخ نکل جاتی تھی تو ساری محفل کے دل ہل جاتے تھے۔ کبھی خواجہ محمد امامؒ حضرت کو سماع سنانے بھی لگتے تھے۔ ایک بار شیخ ابوبکر طوسیؒ کی خانقاہ میں، جو دہلی میں پرانے قلعے کے پاس ہے اور عوام میں مٹکا پیر کی درگاہ کہلاتی ہے، حضرت نظام الدینؒ تشریف لے گئے، وہاں بہت سے درویش موجود تھے، دیر تک سماع ہوتا رہا، مگر بالکل ٹھس اور بے کیف۔ حضرت نے فرمایا: سماع روک دیا جائے اور آپ نے مشائخ کی حکایات کا بیان شروع کر دیا، اس سے محفل میں خاص ذوق پیدا ہوا۔

وہاں شیخ بدرالدین غزنویؒ کے مرید شیخ نظام الدین پانی پتی بھی موجود تھے، اُن کی آواز بہت اچھی تھی، شیخ علی زنبیلی نے اُن سے سماع شروع کرنے کی درخواست کی۔ حضرتؒ نے خواجہ محمد امامؒ کو اشارہ کیا کہ تم اِن کی سنگت کرو۔ اُنھوں نے غزل پڑھنی شروع کی، جب یہ شعر پڑھا:

ہر بے خردی کہ بنی امشب
از من ہمہ در گذار تا روز

(اس رات میں جو ہماری بے خردی کی باتیں دیکھ رہے ہو، اُنھیں دن نکلے تک اُٹھا رکھو)۔ یہاں رات سے مراد یہ زندگی اور دن سے مراد حشر کا دن ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ پر کیفیت طاری ہوئی، پھر تو ساری محفل ہی بے قابو اور بے حال ہوگئی۔

حضرت کے اقرباء میں خواجہ ابوبکرؒ کو بھی سماع کا گہرا ذوق تھا، اُنھیں کیفیت ہوتی تھی تو اپنی دستار اور پیراہن بھی قوالوں کو بخش دیتے تھے، جب وہ اپنے کندھے پر چادر حمائل کر کے رقص کرتے تھے تو عجیب منظر ہوتا تھا۔ دلدوز و جگر سوز نعرے لگاتے تھے۔ کبھی قوال کو پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالتے تھے، تو وہ بھی وجد میں آجاتا تھا۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مریدین و خلفاء اور وابستگان کے ذوقِ سماع کا تذکرہ تشنہ اور ناکام رہے گا، اگر امیر خسروؒ کا ذکر نہ کیا جائے۔ اُنھیں بعض سازوں کا اور راگوں کا موجود بھی بتایا جاتا ہے، یہ سب تو علمِ سینہ ہے، لیکن اس کی شہادتیں علمِ سفینہ میں بھی موجود ہیں کہ وہ فنِ موسیقی میں پورا درک اور استادانہ مہارت رکھتے تھے۔ اعجازِ خسروی میں اُنھوں نے موسیقی کے رموز و نکات پر جو کچھ لکھا ہے، وہ فارسی زبان میں کسی ہندوستانی کے قلم سے موسیقی کے موضوع پر لکھی ہوئی پہلی دستاویز ہے۔ وہ یقیناً خوش الحان بھی تھے اور اس کی کئی روایات ملتی ہیں کہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کو سماع سناتے تھے۔ کبھی خود ایسے بے قابو ہو جاتے تھے کہ زبان سے الفاظ ادا کرنا دشوار ہو جاتا تھا۔

ایک بار حضرت نظام الدین اولیاءؒ کہیں سے گذر رہے تھے، وہاں ایک کسان چرس سے کھیت کو پانی دے رہا تھا۔ (چرس چمڑے کا بنا ہوا بہت بڑا ڈول ہوتا ہے، جسے بیل یا اونٹ

ڈھلواں جگہ پر اوپر سے نیچے اتر کر کھینچتے رہتے ہیں)۔ وہ کسان بیلوں کو ہانکتا تھا تو کہتا تھا: ''باہو رے باہیا باہو'' یعنی محنت کشو، خود محنت کرو۔ حضرت نظام الدینؒ کو اس سادہ سے ہندی فقرے میں ہی صوفیہ کے مجاہدے اور ریاضت کی جھلک نظر آ گئی اور وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اُن کے ساتھی دیر تک اِسی فقرے کو دہراتے رہے۔

اِسی طرح ایک بار حضرتؒ کے کان میں مولانا وجیہ الدین پایلیؒ کی ہندوی میں لکھی ہوئی جبکری کے یہ الفاظ پڑے: بَینا بن بھاجے، کیسا سُکھ سے بھائوں (جو قال یعنی ظاہری علم، بحث وتکرار وغیرہ کی منزل سے گذر کر کیفیت اور حال کے مقام میں داخل ہو جاتا ہے، وہ کیسا سُکھی ہو جاتا ہے)، حضرت دیر تک اس پر وجد کرتے رہے۔

حضرت نظام الدینؒ کے یارانِ اعلیٰ میں خواجہ برہان الدین غریب ہانسوی (ف ۱۲ر صفر ۷۳۸ھ، مدفن خلد آباد، مہاراشٹر) بھی سماع کا بہت گہرا ذوق رکھتے تھے اور جب اُنہیں وجد کی کیفیت ہوتی تھی تو ایسے والہانہ انداز میں رقص کرتے تھے کہ وہ ''برہانی طرز'' کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔

رمضان ۷۳۲ھ میں حضرت غریبؒ نے ایک مجلس میں فرمایا:

مرا دو وقت بیش راحت می باشد، یکے بہ وقت سماع، دوم بہ وقت آن کہ یارے می آید با اُو چیزے از سخن حق گفتہ می شود۔ (نفائس الانفاس قلمی)

مجھے دو وقت بہت راحت ملتی ہے، ایک تو سماع میں، دوسرے جب کوئی یار (مرید) آتا ہے اور اس سے اللہ رسول کی کچھ باتیں کرتا ہوں۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا کہ سماع دو طرح کا ہوتا ہے: ہاجم اور غیر ہاجم۔ یعنی ایک تو وہ ہے جو ہجوم کرتا ہے اور مغلوب کر لیتا ہے، سننے والے کو جھنجھوڑ دیتا ہے، اُس کی شرح بیانی کرنی دشوار ہے۔ دوسرا یعنی غیر ہاجم وہ ہے کہ اس کا سننے والا جو کچھ سنتا ہے، اسے صفاتِ حق تعالیٰ پر محمول کرتا ہے۔ فوائد الفواد (ج ۲، مجلس ۴) میں حضرت نے فرمایا:

''سماع محکِ قوی ست مردان را''

(سماع مردانِ راہ کو پرکھنے کی بڑی سخت کسوٹی ہے)۔

کئی صوفیہ اور مشائخ ایسے ہیں جن کا انتقال سماع کی حالت میں ہوا۔ خواجہ قطب صاحبؒ کے بارے میں تو سب کو معلوم ہے اور ہم شروع میں ہی اس کا تذکرہ کر چکے ہیں۔ ایک بزرگ شیخ شرف الدین کرمانیؒ قصبہ سرسی کے رہنے والے تھے، اُن کے سامنے قوال نے یہ شعر پڑھا:

ہر روز دہد جانِ من آواز مرا
زنہار، در راہِ دوست در باز مرا

(میری روح ہر روز مجھ سے پکار کر کہتی ہے، ارے دوست کے راستے میں مجھے لٹا دے، داؤں پر لگا دے)۔

شیخ شرف الدینؒ نے نعرہ لگایا: لٹا دی، میں نے لٹا دی۔ اور اسی وقت روح پرواز کر گئی۔

اسی طرح حضرت برہان الدین غریبؒ کے ملفوظات ''احسن الاقوال'' کے نام سے ترتیب دینے والے، رکن الدین دبیر کاشانی مؤلف شمائل الاتقیاء کے بھائی خواجہ حماد کاشانی ۲۱ر جمادی الاولیٰ ۷۶۱ھ کو سماع سن رہے تھے، اُنہیں اس شعر پر وجد ہوا:

اے اجل آن قدرے صبر کن امروز کہ من
لذتے گیرم از ان زخم کہ برجانم زد

(اے موت آج مجھے اتنی مہلت دے دے کہ میں اُس زخم کا مزہ لے لوں جو محبوب نے میری روح پر لگایا ہے۔) اور اسی کیفیت میں اُن کی روح پرواز کر گئی۔ اُن کا مقبرہ سکر بھکر (کرناٹک) میں ہے۔ قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے فرمایا سماع ہو رہا تھا، بڑے کامل قوال حاضر تھے، مگر کسی کو کوئی کیفیت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ صاحبِ سماع نے، جن کے گھر محفل تھی، حاضرین سے کہا اگر کسی کے دل میں کسی سے رنجش یا ملال ہو تو پہلے آپس میں صفائی کر لو۔ وہ بھی کر لی گئی۔ پھر بھی کچھ نہ ہوا، اب یہ تلاش کیا کہ کوئی نااہل یا بیگانہ شخص تو محفل میں نہیں آ گیا

ہے، کوئی نہیں تھا۔ سماع بند کر کے استغفار پڑھتے رہے، اتنے میں ایک درویش آیا اور اس نے یہ شعر پڑھا:

کس را چو تو معشوقِ مبارک بین نیست
اے جانِ جہاں مثل تو در روے زمین نیست

(تمہارے جیسا مبارک معشوق کسی کا نہ ہوگا۔ اے جانِ جہاں تم جیسا تو ساری روے زمین پر کوئی نہیں۔)

اس شعر نے محفل میں آگ سی لگا دی، ایک درویش کا تو اُسی وقت انتقال ہو گیا۔ حاضرین نے اس شعر کو دوبارہ پڑھنے سے منع کر دیا۔

حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیریؒ (ف ۱۳ر ربیع الاوّل ۶۹۰ھ) کے بارے میں بھی ایک روایت کہتی ہے کہ اُن کا انتقال حالِ سماع میں ہوا تھا۔ (انوار العارفین، ۳۶۰)۔ حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتیؒ اکثر سماع سنتے تھے، مشائخ کے عرس کرتے تھے اور اُن کی مجلس میں اُس زمانے کے علماء و مشائخ سب حاضر ہوتے تھے۔ اُن کے سماع کا کوئی بھی انکار نہ کرتا تھا۔ (انوار العارفین، ۳۸۶)

اُن کے فرزند شیخ شبلی تھے، اُن کے بارے میں صوفی محمد حسین مراد آبادی کا بیان ہے:

''عالم بود بہ علومِ شریعت وطریقت وحقیقت--- ہر دو پاے وے بہ مرضی لنگ بود، اما از غایت شوق و ذوق در وقت شنیدن سرود برخاستی وتواجد نمودی، روزی مانند تندرستان درعین سماع برخاستہ وجد میکرد درین اثنا شیخ ادریس عم وے ہر دو دست وے گرفتہ فرمود کہ شبلی از برخاستن تو درین حال خلق میگوید کہ شبلی اظہار کرامت کند، وے باستماع این معنی بنشست و باز تا حیات خود گاہے، بتواجد برنخاست۔'' (انوار العارفین، ۳۸۸)

وہ شریعت وطریقت وحقیقت کے عالم تھے۔ اُن کے دونوں پانو کسی بیماری میں لنگ ہو گئے تھے، مگر سرود سنتے وقت بڑے ذوق وشوق سے اُٹھ کر تندرستوں کی طرح وجد کرتے

تھے۔ ایک دن حالتِ سماع میں وجد کر رہے تھے کہ اُس وقت اُن کے چچا شیخ ادریس نے کہا: لوگ کہہ رہے ہیں کہ شبلی کرامت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ بات سن کر وہ بیٹھ گئے اور پھر جب تک زندہ رہے، کبھی وجد کے لیے کھڑے نہ ہوئے۔

ابھی سو سال پہلے رجب کی آٹھویں تاریخ ۱۳۲۲ھ کو پیر کا دن تھا، صبح کے نو بجے تھے، ایک صاحب مرزا نثار علی بیگ نے درگاہ شریف اجمیر میں جھالرے کے پاس نواب سرور جنگ کے مکان پر سماع کی محفل کی جس میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفہ حضرت حافظ محمد حسین الٰہ آبادیؒ بھی تشریف فرما تھے، درگاہ شریف کے قوال حیدری و غلام چشتی وغیرہ نے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کا یہ عارفانہ کلام شروع کیا:

آستین بر رو کشیدی ہمچو مکار آمدی
باخودی خود در تماشا سوے بازار آمدی

(وحدت الوجود کا مضمون ہے کہ مکر کرنے والے کی طرح آستین میں تم اپنا منھ چھپا کر خود اپنا ہی تماشا دیکھنے کے لیے بازار میں آ گئے۔)

جب قوالوں نے اس غزل کا مقطع پڑھا:

گفت قدوسی فقیرے درفنا و دربقا
خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

(فنا و بقا کے موضوع پر ایک قدوسی فقیر نے (یا اے قدوسی ایک فقیر نے) یہ کہا کہ تم خود بخود آزاد تھے، خود ہی گرفتار ہو کر آ گئے تھے۔

حافظ صاحب ان اشعار کے معانی کی تشریح و تفسیر عجیب انداز میں کرتے رہے اور اِسی عالم میں یکبارگی اپنا سر زمین پر رکھ دیا۔ کچھ دیر تک سب یہ سمجھتے رہے کہ محویت اور استغراق کی کیفیت میں ہیں، کچھ دیر کے بعد نبض ٹٹولی تو معلوم ہوا کہ طائرِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر بعض صوفیوں نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے، نشاطِ روحانی اور غم والم کا ایک عجیب منظر تھا۔ ڈاکٹر نے یہ سوچ کر کہ شاید یہ سکتے کی کیفیت ہو، انجکشن لگایا تو دو اجسم

کے اندر نہ گئی، بلکہ خود جاری ہو گیا جو کسی طرح بند نہ ہوتا تھا اور دفن کے وقت تک برابر بہتا رہا۔ وہی قوال وہی اشعار پڑھتے ہوئے جنازے کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ درگاہ اجمیر شریف میں یہ پہلا واقعہ تھا کہ کسی جنازے کے ساتھ سارا دن سماع ہوتا رہا ہو۔

حضرت نظام الدینؒ کے ایک مرید خواجہ منہاج شقدار تھے۔ اُنھوں نے شہر دہلی میں اپنے گھر پر محفلِ سماع منعقد کرنے کے لیے حضرتؒ سے اجازت طلب کیا، ابھی یہ لوگ پہنچے نہیں تھے، شہر کے کچھ دوسرے لوگ جمع ہو گئے اور اُنہوں نے اصرار کیا کہ قوال موجود ہیں تو سماع شروع کر دیا جائے، آنے والے آتے رہیں گے۔ اُنہوں نے کہا کہ ابھی کھانا بھی تیار نہیں ہے، ذرا سا انتظار کر لیں، مگر لوگ بے چینی کا اظہار کرتے رہے تو بازار سے کھانا منگوا کر اُنہیں کھلایا اور سماع شروع کر دیا۔ مگر سخت بے کیفی رہی۔ میزبان کو یہ ملال تھا کہ محفل کا سارا رنگ بگڑ گیا، اِسی کوفت میں سر جھکائے بیٹھے تھے، اچانک ایسا محسوس ہوا کہ حضرت نظام الدینؒ حوض خانے کے دروازے پر کھڑے ہیں، اِن پر بیخودی سی طاری ہو گئی، اور اسی وقت سماع میں بھی جان پڑ گئی۔ بعد میں اُنہوں نے یہ واقعہ حضرتؒ سے عرض کیا تو فرمایا: کہ جہاں کہیں، اِس ضعیف کے یارانِ طریقہ ہوں ہمیں بھی وہاں موجود سمجھیں۔

حضرت نظام الدین اولیاء نے فرمایا کہ سماع کی چند شرطیں ہیں: پہلی تو زمان یعنی وقت ہے جس میں فراغِ خاطر میسر ہو کوئی اُلجھن جی کو لگی ہوئی نہ ہو، پھر مکان یعنی جگہ پر فضا اور دلکش ہو، جہاں بیٹھ کر طبیعت میں فرحت پیدا ہو۔ اِخوان یعنی سننے والے ساتھ سب ایک جنس کے ہوں، یعنی جو بھی محفل میں آئے، وہ صاحبِ نسبت ہو، اور سماع کا اہل ہو۔ اُس محفل میں خوشبو سلگائی جائے، اچھے صاف ستھرے کپڑے پہن کر بیٹھا جائے۔ مولانا فخر الدین زرّادیؒ نے اپنے رسالہ کشف القناع عن وجہ السماع میں لکھا ہے کہ آدابِ سماع میں سے یہ بھی ہے کہ ہوش کے کانوں سے سنے، اِدھر اُدھر نہ بھٹکے، دوسرے سننے والوں کی طرف بھی نہ دیکھے، جماہیاں لینے، چھینکنے، کھنکارنے سے پرہیز کرے۔ سر جھکا کر اور فکر میں ڈوب کر سنے۔ اس کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو، حالتِ وجد میں کھڑا نہ ہو، ضبطِ نفس کی قدرت

رکھتا ہو، ایسا شخص اگر روتا ہے، یا رقص کرتا ہے، تو اس کے لیے مباح ہے، بشرطیکہ اِس میں ریا نہ ہو، اِس لیے کہ رونے سے حزن یعنی غم دور ہوتا ہے اور رقص سے سرور حاصل ہوتا ہے۔ اِسی طرح یہ بھی سماع کے آداب میں سے ہے کہ محفل میں جو لوگ ہوں، اُن کی موافقت کرے۔ اگر کوئی حالتِ وجد میں یا اظہارِ وجد کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو چاہے کہ دوسرے حاضرین بھی کھڑے ہو جائیں۔

حضرت نے فرمایا کہ بعض صوفیہ پر سماع میں حال غالب ہوتا ہے اور تمیز باقی نہیں رہتی، لیکن بعض وہ ہیں کہ اگرچہ اُنہیں بھی حال ہوتا ہے، مگر وہ مغلوب نہیں ہوتے۔ بعض حالتِ سماع میں ایسے بیخود ہو جاتے ہیں کہ اگر اُن کے پانو میں کیل بھی چبھ جائے تو اُنہیں احساس نہیں ہوتا۔ کچھ لوگ سماع میں اتنے حاضر رہتے ہیں کہ پھول کی پنکھڑی بھی اُن کے پیروں تلے آئے تو اُس کو بھی محسوس کر لیتے ہیں اور یہ کاملوں کا رتبہ ہے۔ بعض لوگوں پر سماع میں ایسی کیفیت غالب آتی ہے کہ وہ رقص کرتے ہیں اور اپنے کپڑے پھاڑ لیتے ہیں۔ حضرت نظام الدینؒ نے فرمایا کہ یہ جوش یادِ حق کی وجہ سے ہو تو مستحب ہے، اِس لیے کہ بندہ اگر مغلوب ہے تو معذور ہے، اگر سامع کا رجحان فاسد خیالات کی طرف ہے تو حرام ہے۔ درویش جب حالتِ سماع میں ہاتھ پٹکتا ہے تو اُس کے ہاتھ کی خواہشیں جھڑ جاتی ہیں، پانو پٹکتا ہے تو پانو سے خواہشیں دُور ہو جاتی ہیں۔

حضرت بدرالدین سمرقندیؒ بڑے بزرگ تھے، وہ شیخ سیف الدین باخرزیؒ کے مرید وخلیفہ تھے۔ اُنھوں نے شیخ نجم الدین کبریٰؒ کو بھی دیکھا تھا۔ حافظِ قرآن تھے، حج کر چکے تھے، اور سماع میں بہت غلو رکھتے تھے، مگر حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیاء کی موجودگی میں سماع سنتے تھے۔ اُن کا انتقال ہوا تو انہیں دہلی میں سنکولہ کے مقام پر دفن کیا گیا۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ اُن کی مجلس سوم میں تشریف لے گئے، وہاں سماع ہو رہا تھا۔ آپ ذرا تاخیر سے پہنچے، دالان بھر چکا تھا۔ حضرت برابر والے ایک احاطے میں بیٹھ گئے۔ محفلِ سماع میں کچھ لوگ کھڑے ہوئے تو اِدھر آپ بھی کھڑے ہو گئے۔ کسی نے عرض کیا کہ آپ کے اور محفل کے درمیان فاصلہ ہے،

آپ تشریف رکھیں، فرمایا: نہیں موافقت شرط ہے۔

غیاث الدین تغلق کے زمانے میں (۷۲۵ھ-۷۲۰ھ / ۱۳۲۴ء-۱۳۲۰ء) حضرت نظام الدینؒ کو بھی محضر میں طلب کیا گیا تھا اور اُن سے سماع کے جواز میں دلیلیں دینے کو کہا گیا۔ اُن کے بعض معتقدوں نے مختلف کتابوں سے اقتباسات جمع کر کے اُن کی خدمت میں پیش کیے۔ اُسی زمانے میں حضرت فخر الدین زرّادیؒ نے رسالہ کشف القناع عن وجه السماع لکھا تھا، جس میں احادیث اور اسلاف کے اقوال سے سماع کا جائز ہونا ثابت کیا ہے۔ یہ ایک بار چھپا بھی تھا اور اس کے قلمی نسخے برصغیر کے مختلف کتب خانوں میں بھی ملتے ہیں۔ اس رسالے میں مولانا زرّادیؒ نے امام غزالیؒ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ سماع کی پہلی منزل سننے والے کی سمجھ ہے، یعنی جو خیالات سننے والے کے تحت الشعور میں ہوتے ہیں، سماع اُن کو بیدار کر دیتا ہے، پھر اُن سے معانی کے سمجھنے سے وجد پیدا ہوتا ہے، وجد کے اثر سے اعضاء میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ یہ کیفیت سننے والے کے حال کے اعتبار سے ہر ایک میں مختلف ہوتی ہے۔ سننے والے کے حال چار طرح کے ہوتے ہیں: ایک یہ کہ طبیعت خالی ہو، اُس میں لذت اور حظ نہ ہو، بس وہ لحن اور نغمے سے لذت حاصل کرے تو یہ مباح ہے۔ مگر اس خصوصیت میں بعض حیوانات بھی شریک ہیں۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ سماع کا سننے والا اُس کے معانی کو کسی متعین یا غیر متعین مخلوق پر ڈھالے۔ یہ جذبات و خواہشات رکھنے والے جوانوں کا سماع ہے، اور یہ وہ معانی ہیں کہ گھٹیا ہونے کی وجہ سے اُن پر گفتگو نہیں کی جا سکتی۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ سننے والا سماع کو اپنے نفس کے بدلتے ہوئے احوال پر لے جائے جو اس کے اور حق تعالیٰ کے درمیان ہیں۔ یہ مریدوں خصوصاً مبتدیوں کا سماع ہے، اِس لیے کہ مرید کی لامحالہ کوئی مراد بھی ہوگی اور وہ مراد اللہ کی معرفت اور اُس تک پہنچنا ہے۔ راہِ سلوک میں اُن کو مختلف احوال مثلاً ردّ و قبول، ہجر و وصال، اُمید اور نا اُمیدی وغیرہ پیش آتے ہیں۔ چوتھا درجہ اُس سننے والے کا ہے، جو عینِ حق ہو اور حالتِ سماع میں عینِ شہود میں رہے، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھنے والی عورتوں نے لیموں کی بجائے اپنی انگلیاں تراش لی تھیں۔ اس لیے کہ وہ مشاہدے میں غرق تھیں، اُنہیں اپنی

خبر نہ تھی۔ اس مقام پر پہنچنے والے واصل و کامل ہوتے ہیں، وہ حق کے سوا ہر فانی چیز سے گزر جاتے ہیں۔ سماع کے آداب میں یہ بھی ہے کہ ایسا رقص نہ کرے جو دوسروں کو بھدا لگے، ناگوار ہو یا اُنہیں تشویش میں مبتلا کر دے۔

سماع میں جو اشعار پڑھے جاتے ہیں، اور ان میں جو اصطلاحیں یا رموز و علامات استعمال ہوتی ہیں، اُن کا مفہوم عوام کے لیے کچھ اور ہوتا ہے، صوفیہ اور مشائخ کے لیے کچھ اور ہوتا ہے۔ حضرت نظام الدین نے فرمایا کہ زلف سے مراد قرب ہے، رنگ جنت کا اور چشم رحمت کا استعارہ ہے۔ کفر کا مطلب چھپانا ہے: ''کافرنشدی قلندری کارِ تو نیست'' یعنی جب تک یہ ہستی اور اعمال اور صدق یہ سب پوشیدہ نہ ہو جائیں، تمہارا دعویٰ عشق معتبر نہیں ہوسکتا۔ اس کے لیے اپنے نفس سے مرتد ہونا ضروری ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہر حرف جو میں نے سماع میں سنا ہے، اُس میں حق تعالیٰ کی کسی نہ کسی صفت کا احساس کیا ہے، پھر اُسے اپنے مرشد شیخ شیوخ العالم حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کی پاکیزہ صفات پر محمول کیا ہے۔ ایک بار جب حضرت شیخ حیات تھے، میں نے قوال سے یہ شعر سنا:

مخرام بدین صفت، مبادا
کر چشمِ بدت رسد گزندے

(ایسی خوبی سے خرام نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ تمہیں کسی کی نظر لگ جائے۔)

مجھے شیخ کے اخلاقِ کریمانہ، اُن کی صفاتِ عالیہ، کمال اور بزرگی کا دھیان آیا تو مجھ پر حال طاری ہوگیا۔ پھر آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ کچھ ہی عرصہ گزرا ہوگا کہ وہ رحمتِ حق سے جا ملے۔

امیر حسن علاء سجزی دہلویؒ (ف ۲۹ر صفر ۷۳۷ھ مدفن خلد آباد) نے، جو حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیاء کے ملفوظات ''فوائد الفواد'' کے جامع ہیں، حضرت سے عرض کیا کہ مجھے جو رقت سماع میں طاری ہوتی ہے، وہ اور کسی چیز سے نہیں ہوتی۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اصحابِ طریقت اور مشتاقانِ معرفت کے لیے یہ ذوق ہی تو ہے، جو اُن کے اندر آگ بھڑکا دیتا ہے، یہ

نہ ہوتا تو زندگی کیا ہوتی اور اُس میں ذوق کیا ہوتا۔ (فوائد الفواد، ج ۲، مجلس ۱۹)

حضرت نظام الدینؒ نے یہ وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ دفن کرنے لے جائیں تو سماع کرتے ہوئے جائیں، مگر حضرت شیخ رکن الدین ملتانیؒ نے روک دیا، اُنھوں نے نمازِ جنازہ بھی پڑھائی تھی، اور جنازے کے ساتھ چل رہے تھے، یہ کہا کہ اگر سماع ہوا تو شیخ اُٹھ کر بیٹھ جائیں گے اور سارے عالم میں ہنگامہ بپا ہو جائے گا۔ حضرت برہان الدین غریبؒ نے یکم محرم ۷۳۵ھ کی مجلس میں فرمایا کہ مجھ سے حضرت نظام الدینؒ کے خادم خواجہ اقبال نے کہا کہ:

شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ وصیت کردہ بودند کہ جنازۂ مرا سہ روز بدارند، سماع بگویند۔ اقبال پیش نہ کرد آن کہ نباید کہ خدمت شیخ بگیرد، بیش فتنہ قائم شود۔--- کاشکے اقبال بداشتے بارے می دیدند چہ شدے۔''

شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ نے وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ تین دن تک روکیں اور سماع کہیں۔ اقبال نے بہ سبب یہ کہ ایسا نہ ہو، حضرت شیخ اُٹھ بیٹھیں اور کوئی فتنہ کھڑا ہو جائے--- کاش اقبال روکتے تو ہم دیکھتے کیا ہوتا ہے!

پھر بھی جنازے میں کچھ لوگ شیخ سعدیؒ کے یہ شعر گاتے ہوئے چل رہے تھے:

سروِ سیمینا بہ صحرا می روی
نیک بدعہدی کہ بے مامی روی
اے تماشا گاہِ عالم روے تو
تو کجا بہرِ تماشا می روی

(اے سروقامت محبوب تم صحرا کی طرف جا رہے ہو، بڑے بے وفا ہو کہ ہمیں چھوڑ چلے ہو، ارے تمہارا روے زیبا تو سارے عالم کے لیے قابلِ دید ہے، تم کہیں کیا دیکھنے جا رہے ہو۔

دربار میں جب بھی علمائے ظاہر کا اثر زیادہ ہوا، صوفیہ کے بعض نظریات (مثلاً وحدت الوجود) اور اعمال (مثلاً سماع) کی مخالفت بھی کی گئی۔ لیکن ایسی صورت میں وہ اپنے

مریدوں کے ساتھ شہر سے باہر کسی باغ میں یا صحرا میں جا کر سماع سنتے تھے، جس کے کچھ واقعات حضرت گیسو درازؒ کے ملفوظات جوامع الکلم میں بھی ملتے ہیں۔ شیخ عثمان سیاحؒ اگرچہ شیخ رکن الدین ملتانیؒ سہروردی کے مرید تھے، مگر سماع کا ذوق رکھتے تھے۔ اُن کے پاس شاہی دربار کی دی ہوئی تھوڑی سی معافی تھی، جب غیاث الدین تغلق (ف ۱۳۲۵ء/ ۷۲۵ھ) نے سماع پر پابندی لگا دی تو یہ معافی کے قبالے قلعے کے اُس صندوق میں ڈال آئے جس میں فریادیوں کی عرضیاں ڈالی جاتی تھیں، اور اُس کے ساتھ یہ تحریر بھی کہ ہم سماع تو چھوڑنے والے ہیں نہیں، آپ کی دی ہوئی معافی آپ کو مبارک ہو۔ یہ بات جو مشہور ہوگئی ہے کہ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغِ دہلیؒ (ف ۱۷ر رمضان ۷۵۸ھ) قوالی نہیں سنتے تھے۔ اِس کی کچھ اصل نہیں۔ یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اپنے پیرومرشد حضرت نظام الدین کی روایت سے انحراف کرتے۔ سیر الاولیاء میں یہ واقعہ موجود ہے کہ حضرت نظام الدینؒ کی رحلت کے بعد خانقاہ کے ''طاقِ بزرگ'' میں سماع ہوا، تو اُس میں حضرت چراغ دہلیؒ بھی موجود تھے، اور وہ اس مصرعہ پر بہت دیر تک وجد کرتے رہے:

مجلسِ یار ہما نست مگر یار کجاست!

(دوست کی محفل تو وہی ہے، مگر دوست کہاں ہے؟)

مولانا نظام الدین شیرازیؒ حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے یارانِ اعلیٰ میں سے تھے، عالم فاضل شخص تھے، اجودھیا میں رہتے تھے۔ اپنے مرشد کے وصال کے بعد دہلی آئے تو درگاہ شریف کے حظیرے میں مقیم رہے۔ سماع کے ایسے شیفتہ تھے کہ قوالوں کی ایک جماعت اُن کے ساتھ رہتی تھی اور روزانہ سماع کا وقت مقرر تھا۔ دہلی میں انتقال ہوا، اور اپنے ہی گھر میں جو سیری کی فصیل کے اندر تھا، دفن کیے گئے۔

جیسا کہ ہم نے شروع میں عرض کیا، صوفیہ کی خانقاہ میں ''قوالی'' نہیں سماع ہوتا تھا۔ یہ عربی لفظ ہے، اِس کے معنی ہیں سننا۔ یہ اُن کے اپنے خلوت کدے میں ہوتا تھا، عام محفلوں میں نہیں۔ اِس میں سازوں کا ہونا بھی ضروری نہیں تھا۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے بعض

ملفوظات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ مزامیر کے ساتھ سماع کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ فوائد الفواد (ج ۳، مجلس ۵) میں ہے کہ کسی نے حضرت کے سامنے تذکرہ کیا کہ بعض یارانِ طریقت نے فلاں جگہ مزامیر کے ساتھ سماع میں شرکت کی تو آپ نے فرمایا:

من منع کردہ ام کہ مزامیر و محرمات درمیان نباشد، ہر چہ کردہ اند نیکو نکردہ اند۔

میں منع کر چکا ہوں کہ مزامیر اور محرمات (ممنوع آلات وغیرہ) سماع میں نہ ہوں۔ اُنھوں نے جو کچھ کیا، اچھا نہیں کیا۔

حضرت سیّد محمد حسینی گیسو درازؒ کی خانقاہ (گلبرگہ) میں جس طرح کا سماع ہوتا تھا، اُس کا ایک روایتی نمونہ آج بھی اُن کے عرس کے موقع پر ''بند سماع'' کے نام سے ہوتا ہے، جس میں خاص لوگ ہی شرکت کرتے ہیں۔ سماع کے بعد اُنہیں پان اور شربت پیش کیا جاتا ہے۔

قوالی کی جو شکل آج کل ہم دیکھ رہے ہیں اور جسے صوفیہ کا ''گانا'' (Sufi Song) کہا جاتا ہے، یہ سب بعد میں بگڑی ہوئی شکلیں ہیں۔ صوفیہ حالتِ سلوک میں جن کیفیات سے گزرتے ہیں، اُن میں ایک کیفیت ''قبض'' کی بھی ہوتی ہے، جسے ہم Depression کا ہم معنی سمجھ سکتے ہیں، اُسے دور کرنے کی تدبیروں میں سے ایک ''سماع'' بھی ہے۔ یعنی ایسے قول یا اشعار وغیرہ کا سننا، جن سے روح میں اہتزاز ہو، کچھ لذت محسوس ہو، اور قبض کی کیفیت دور ہو کر بسط پیدا ہو جائے۔ بعض مشائخ نے سماع کو دوا کے طور پر مریضوں کے علاج کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔ اور حالتِ سماع میں روحانی عروج کی جو کیفیات ہوتی ہیں، اُنہیں قبولیتِ دُعا اور عطائے نعمت کا خاص وقت سمجھا گیا ہے۔

ابتدائے سلوک میں یہ آتشِ شوق کو بھڑکانے کا ایک وسیلہ ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ صاحبِ کشف المحجوب کا ارشاد ہے کہ منتہی کے لیے، جو سلوک کے سارے مرحلے طے کر چکا ہو، سازوں کا نغمہ اور کوے کی آواز دونوں برابر ہو جاتے ہیں۔ صوفیہ نے سماع کو عام آدمی کے لیے جائز نہیں رکھا ہے۔ سالکانِ راہِ طریقت کے لیے بھی یہ چند شرائط کے ساتھ جائز ہے، اور وہ شرائط ہیں:

(۱) زمان: مثلاً نماز کا وقت نہ ہو۔

(۲) مکان: یعنی اپنی خانقاہ ہو، خلوت کدہ ہو، کوئی ایسی جگہ نہ ہو، جیسے مسجد یا بازار۔

(۳) اِخوان: یعنی سننے والے مرید یا اہلِ سلسلہ ہوں۔ نااہل، جاہل یا بدعقیدہ لوگ نہ ہوں۔

اگر یہ شرطیں پوری ہوتی ہیں، تو وہ سماع کے لیے کہتے ہیں کہ جائز لاھلہ، یہ اس کے لیے جائز ہے جو اس کا اہل ہو۔ آداب الصوفیہ کے مصنف عبدالرحمٰن السلمیؒ نے مختصر مگر نہایت جامع تعریف یوں کی ہے کہ جس کا دل زندہ اور نفس مردہ ہو، اُس کے لیے سماع جائز ہے، اگر نفس زندہ اور دل مردہ ہو تو حرام ہے۔ حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ نے بھی کشف المحجوب میں ایسی ہی بات کہی ہے:

''آن کہ اندر سماع متابع باشد مکاشف شود، و آن کہ معانق و متابع نفس بود محجوب گردد۔''

سماع میں جو حق سے لو لگائے گا، اس پر اسرار کھلیں گے اور جو نفس کا بندہ اور پیرو ہوگا، وہ حجاب میں رہے گا۔

حضرت شیخ عبدالحق ردولویؒ کے پوتے شیخ محمد بن احمد عارف ردولویؒ کے بارے میں جو حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے پیر و مرشد ہیں، لطائف قدسی میں لکھا ہے کہ میرے والد (شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ) کا ارادہ شادی کرنے کا نہ تھا، شیخ محمدؒ نے اصرار کر کے اپنی بہن سے اُن کا نکاح کر دیا۔ شیخ محمد کی والدہ کا خیال تھا کہ وہ دوسری بیٹی کا عقد کسی ایسے شخص سے کریں، جس کے لیے حضرت شیخ احمدؒ اشارہ کریں۔ کچھ دنوں کے بعد اُنہوں نے میرے والد کو خواب میں دیکھا کہ حالتِ سماع میں اُن کا پاؤں ٹوٹ گیا ہے اور حضرت شیخ احمدؒ فرما رہے ہیں: اے امِ کلثوم انہیں اپنی آغوش میں لے لو، اور ان کی پرورش کرو۔ بیدار ہونے کے بعد اُنہوں نے اس خواب کی تعبیر یہ سمجھی کہ پاؤں ٹوٹنے سے اشارہ یہ ہے کہ وہ سجادے پر بیٹھیں گے اور کسی غیر کے در پر نہ جائیں گے، درویشِ کامل ہو جائیں گے۔ اور پرورش سے یہ اشارہ سمجھا کہ اپنی

دختر کا نکاح ان سے کر دوں۔ حضرت عبدالقدوسؒ نے کہا کہ ہم تو آپ کے ہاتھوں میں ایک ڈھیلے کی طرح ہیں، چاہے ہمیں رکھو یا توڑ دو۔ شیخ محمدؒ نے کہا کہ اگر حق تعالیٰ کا یہ ارادہ ہے کہ تمہارا نکاح ہو تو ایسا موقع اور کہاں ملے گا کہ دلہن میری بہن ہے اور شیخ احمد عارفؒ کی بیٹی ہے۔ شیخ عبدالقدوسؒ خاموش رہے۔ رات کو نکاح پڑھایا گیا۔ شیخ عبدالقدوسؒ خانقاہ میں جاروب کشی اور چھڑکاؤ کر رہے تھے، لوگ اُنھیں وہاں سے پکڑ کر لے آئے اور شادی کے کپڑے پہنا دیئے، گھر کی عورتوں نے شادی کے گیت گانے شروع کیے تو حضرت شیخ عبدالقدوسؒ کو وجد ہو گیا اور اُنھوں نے شادی کا وہ لباس پھاڑ ڈالا اور یہ شعر پڑھا:

طاقیم کہ باغیرِ خدا جفت نگیریم
زوجیت و شہواتِ ہوا را نشناسیم

(ہم تو اِکّے ہیں، خدا کے سوا کس کو اپنا جفت نہیں بناتے، ہم شادی اور خواہشاتِ نفسانی کو نہیں جانتے)

لوگوں نے دلہن کی والدہ ام کلثوم سے کہا کہ آپ کس دیوانے کو اپنی بیٹی دے رہی ہیں۔ اُنھوں نے کہا: میں کیا کروں نوشتۂ ازل یہی ہے۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ حضرت شیخ صفی الدین ردولوی کے فرزند ہیں۔ اُن کے بارے میں تذکرہ نگار کہتے ہیں:

''دراصول وفروع علوم از فحول محققین بود--- سکر وشورش قوی داشت و وجد وسماع کثیر۔ باوجود کثرتِ جذبات وتوفیر غلبات در اتباع سنت سنیہ بغایت متقن بود۔''

'علوم کی اصول وفروع میں ایک ماہر محقق تھے۔ سکر اور شورش بہت قوی اور وجد و سماع کثیر تھا۔ کثرتِ جذبات اور غلبات کے باوجود اتباعِ سنت میں کامل تھے۔'

شیخ کلیم اللہؒ جہان آبادی کی خانقاہ میں سماع ہوتا تھا، تو ایک دربان دروازے پر بٹھا دیا جاتا تھا جو محفل میں جانے کی خواہش رکھنے والوں سے پہلے درودِ چشتیاں سن کر امتحان لیتا تھا، اگر صحیح پڑھ دیا تو اندر جانے کی اجازت ملتی تھی۔ سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے شیخ کبیر خواجہ شاہ عبدالہادیؒ (ف ۴ر رمضان ۱۱۹۰ھ، مدفن امروہہ) اور خواجہ شاہ عبدالباریؒ (ف ۱۱ر شعبان

۱۲۲۶ھ، مدفن امروہہ) اور اُن کے خاندان کے سب بزرگ ساری شرائط کے ساتھ بہت اہتمام سے سماع سنتے تھے، اُن کی خانقاہ میں قوالوں کی تربیت بھی ہوتی تھی۔ اُنھیں فارسی کا ایسا کلام یاد کرایا جاتا تھا جو توحید کے رموز سے بھرپور ہوتا تھا۔ اب قوالی ایک عمومی گانا بن گئی ہے، قوال بھی وہ نہیں رہے، جو صوفیہ کے خلوتکدوں میں وجد و حال پر اُبھارنے والا صوفیانہ کلام سناتے تھے۔ قوالی اب ہوٹلوں میں، شادیوں میں اور براتوں میں گائی جانے لگی۔ عرس میں بھی نااہلوں کے مجمع کے سامنے پڑھی جانے لگی، اُس کے مضامین بھی عاشقانہ و فاسقانہ ہو گئے۔ قوالوں کو بزرگوں کا کلام بھی کم یاد رہ گیا ہے، اور جو کچھ ہے، اُس کے سننے اور سمجھنے والے نہیں ہیں۔ صوفیہ قوال کو ''گانا'' سمجھ کر نہیں سنتے تھے۔ اب سے سو سال پہلے تک قوالی عموماً طبلہ اور سارنگی کے ساتھ ہوتی تھی، اُس سے پہلے عود اور چنگ کا استعمال ہوتا تھا، اب طرح طرح کے سازوں کا اضافہ ہو گیا ہے، جن سے سازوں کی آواز اکثر قوال کی آواز پر حاوی رہتی ہے۔ اب ایسے قوال بھی کم رہ گئے ہیں، جنھوں نے کلاسیکی موسیقی کی باقاعدہ تربیت حاصل کی ہو اور یہ اُن کا خاندانی فن رہا ہو۔ پھر بھی گذشتہ نصف صدی میں برصغیر میں کچھ ایسے ماہرِ فن ضرور ہوئے ہیں، جنھوں نے قوالی کی کلاسیکی روش کو باقی رکھتے ہوئے، اس فن میں اپنے کمالات کے جوہر دکھائے ہیں۔